حضرت مولانا محمد اسرائیل صاحب رحمۃ اللہ علیہ

صوبہ سرحد کے آسمان علم و فضل کا ایک تابناک اور ضیاء بار ستارہ جس نے اپنی عمر کا بیش بہا حصہ حصول علم کے بعد تصنیف و تالیف اور ترجمہ کے لیے وقف کیا۔ اور یوں اپنے پیچھے تالیفات اور بیش قیمت کتابوں کا اثاثہ چھوڑ کر شائقین مطالعہ اور علمی ذوق رکھنے والوں پر احسان عظیم کا بار گراں ڈال کر اس دنیائے آب و گل سے رخصت ہوئے۔ ؏

فقیرانہ آئے صدا کر چلے

یہ انتہائی خوش آئند بات ہے کہ صوبہ سرحد کے عام علماء کے عمومی مزاج کے برعکس موصوف نے تصنیف و تالیف کے سلسلہ کو پسند کیا۔ اور رات دن کتابوں کی ورق گردانی کے ساتھ ساتھ مختلف زبانوں میں لکھی گئی عظیم الشان علمی دینی اور تاریخی کتابوں کا ترجمہ کیا۔ آئیے ذرا ان کی کہانی ان کی اپنی ہی زبانی سنئے۔ موصوف ماہنامہ "پشتو" پشاور کے اعتراف نمبر میں بعنوان " زما طالب علمی او د ہندوستان سفر" یعنی میری طالب علمی اور سفر ہند رقمطراز ہیں [1]

۶ جنوری ۱۹۱۱ء بشب عید الفطر میری پیدائش تحصیل صوابی کے ایک چھوٹے سے قریہ "جھنڈا" میں ہوئی۔ اس مختصر گاؤں میں پرائمری سکول اور ڈاکخانہ بہت پہلے سے موجود تھے۔ قرب و جوار میں جتنے بھی شائقین علم ہوتے وہ تمام یہاں پر ہمارے گاؤں کے اس پرائمری سکول میں پڑھنے کے لیے آتے۔ پشتو اکیڈمی کے بانی اور اولین ڈائریکٹر مولانا عبدالقادر مرحوم بھی اسی مدرسہ کے مستفیضین میں سے تھے علاوہ ازیں میجر جنرل محمد شیر خان مرحوم بھی ہمارے ساتھ اسی مدرسہ کے سند یافتہ تھے۔

۱۹۱۷ء میں ہم نے اسی مدرسہ میں داخلہ لیا تھا اور ۱۹۲۱ء میں ہم نے پرائمری پاس کیا۔ اسی زمانہ میں لوگ تعلیم کو کوئی خاص اہمیت نہ دیتے تھے اور حقیقت تو یہ ہے کہ اس وقت اتنا زیادہ افلاس تھا کہ کسی میں اپنے بچوں کے لیے دو روپے پر سکول کی کتابیں تختی اور سیاہی خریدنے کی استطاعت نہیں تھی۔ ہمارے مدرسہ میں چار گاؤں سے آنے والے لڑکوں کی کل تعداد ۳۰، ۳۳ سے زیادہ نہ تھی۔

پرائمری تک سکول پڑھنے کے بعد مذہبی گھرانے کی روایات کے مطابق میرا اسی تعلیم کا سلسلہ منقطع ہوگیا۔ اور

[1] پشتو رسالہ "ماہنامہ پشتو" پشتو اکیڈمی پشاور یونیورسٹی اعتراف نمبر ج ۱۰ ص ۱۵۶ شمارہ ۱۰۔ ۱۱

مذہبی تعلیم کے حصول کی طرف متوجہ ہوا۔ ہماری مسجد میں سابقہ ریاست امب کے ایک گاؤں کا عالم رہائش پذیر تھا۔ جو کہ فارسی نظم کے مشہور عالم اور فاضل صاحبزادہ غلام قادر صاحب اوینہ (ضلع صوابی) کے تلمیذ خاص تھے۔ اس سے میں نے (فارسی نظم میں) پنج گنج اور گلستان میں درس لیا۔ جب میں گاؤں سے باہر سفر کرنے کے قابل ہوا تو موضع زروبی نامی گاؤں کو اپنے ایک سرپرست کے ساتھ آیا۔ زروبی کا پرانا نام منارہ تھا۔ یہ ایک بہت بڑا شہر تھا۔ لیکن دریائے سندھ کے کنارے آباد ہونے کے باعث جب "دریاب غم" کا تاریخی سیلاب آیا تو دیگر بیشمار گاؤں کے ساتھ منارہ بھی زیر آب آیا۔ صرف چند گنتی کے افراد باقی بچ گئے تھے [1]

موضع زروبی میں بہت بڑے مشہور اور نامور علماء گزرے ہیں۔ اس وقت مولانا شریف اللہ صاحب جو کہ "مشر مولوی صاحب" کے نام سے یاد کئے جاتے تھے۔ وہ زندہ تھے ۱۹۲۵ء میں ان کی عمر ۹۰ یا سو سال تھی۔ یہ ایک عظیم ہستی تھی دور دراز ملکوں سے علماء اور فضلاء آپ کے درس میں شرف تلمذ حاصل کرنے کے لیے بطور تبرک شرکت کرتے۔ تمام علوم و فنون مثلاً حدیث، تفسیر، فقہ، اصول فقہ، فلسفہ، ریاضی، رمل، جفر، طب اور حساب وغیرہ میں یکتائے روزگار تھے [2] میں اس عظیم ہستی کے اکلوتے فرزند مولوی محمد [3] صاحب کا شاگرد تھا۔ علم صرف میں مراح الارواح اور نحو کی مشہور کتاب کافیہ ابن ماجہ صاحب اور اس کی شرح شرح جامی میں نے ان سے پڑھی۔ تبرک کے طور پر "مشر مولوی صاحب" نے بھی مجھے دو سبق پڑھائے تھے شرح جامی کے بعد میں نے ان سے علم منطق میں صغریٰ کبریٰ نامی رسالے

---

[1] موضع زروبی سابقہ منارہ کے تاریخی پس منظر پر ایک مبسوط علمی اور تحقیقی مقالہ از سعانی الافاغنہ جناب قاضی عبدالحلیم صاحب اثر افغانی مرحوم راقم کی مرتب کردہ کتاب "حیات صدر المدرسین" میں مطالعہ کے قابل ہے۔ یہ کتاب بندہ نے اپنے والد صاحب مرحوم مولانا عبدالحلیم صاحب قدس سرہ صدر المدرسین دارالعلوم حقانیہ کی سوانح حیات اور حالات زندگی پر ترتیب دی ہے ——
۵۱۲ صفحات پر مشتمل یہ ضخیم کتاب بقیمت ۱۲۰ روپے مؤتمر المصنفین دارالعلوم حقانیہ سے دستیاب ہو سکتی ہے۔ علم تاریخ اور سوانح سے دلچسپی رکھنے والوں کے لیے یہ کتاب ایک بہترین ساتھی ہے۔

[2] آپ کا تعلق موضع کوٹھہ ضلع صوابی کے مشہور شیخ طریقت جناب سید امیر صاحب کے ساتھ تھا۔ جو کہ کوٹھہ ملا اور کوٹھہ باباجی کے عرف سے مشہور ہیں۔ کوٹھہ ملا صاحب تحریک مجاہدین کے زبردست حامی تھے، اور ان کی طرف سے اس علاقہ کے قاضی بھی تھے۔ چونکہ سید احمد شہید اور شاہ اسمٰعیل شہید پر وہابیت کا فتویٰ لگایا گیا تھا۔ اس لیے ان کے ساتھی بھی وہابی کے لقب پر مشہور تھے۔ وہابیت سے عوام کی نفرت کی بنا پر مخالفین آپ (کوٹھہ ملا صاحب) اور ان کے متعلقین کے درپے آزاد ہو گئے تھے اس لیے انہوں نے کوٹھہ ملا صاحب، صاحبزادہ عبدالرؤف اور مولوی شریف اللہ کو قتل کرنے کا ارادہ کیا۔ چنانچہ کوٹھہ ملا صاحب اور مولوی شریف اللہ تو قاتلوں کے فانی ہاتھوں میں پھنس نہ سکے اور مولوی عبدالرؤف شہید کر دیئے گئے۔

[3] آپ کا انتقال ۱۹۴۲ء میں ہوا۔ اور اپنے ہی گاؤں زروبی میں آسودہ خواب ہیں۔

پڑھے۔ اور اس کے بعد منطق کی بنیادی کتاب مرقات بھی مَیں نے ان سے درس لیا۔ بعدازاں انہوں نے مجھے رائے دی کہ آپ ہندوستان کی کسی مستند درسگاہ کو چلے جائیں۔ جہاں پر آپ باقاعدہ طور پر درس نظامی کے فارغ التحصیل ہو جائیں۔

۱۹۲۷ء میں اپنے تایازاد بھائی کے پاس دہلی کے سفر پر روانہ ہوا۔ وہ فتح پوری کے مدرسہ میں آخری سال کا طالب علم تھا۔ مَیں نے امتحان دینے کے بعد چوتھے درجے میں داخلہ لیا اسی مدرسہ اور غالباً دیگر مدارس میں درس نظامی کے لیے آٹھ درجے مقرر تھے۔ اس میں صرف و نحو، منطق، اقلیدس، حساب، میراث، فقہ، اصول فقہ اور آخر میں تفسیر اور حدیث کی کتابیں پڑھائی جاتی تھیں۔ ایک درجے سے دوسرے درجے میں ترقی کے لیے امتحان دینا ضروری ہوتا تھا۔ کامیابی کے بعد اس کو دوسرے درجہ میں ترقی دی جاتی تھی۔ میں نے فتح پوری کے مدرسہ میں چوتھے درجہ میں شرح جامی، نورالانوار، شرح وقایہ، قصیدہ بردہ اور تاریخ الخلفاء وغیرہ کتابیں پڑھیں۔ سال کے اختتام پر امتحان دینے اور کامیابی کے بعد پانچویں درجہ میں مجھے داخلہ ملا۔

غالباً پانچ چھ مہینے بعد میں خیرآبادی خاندان کے سلسلہ میں داخل ہوا۔ اس کا سبب یہ تھا کہ جس وقت میں مرقات (منطق کا رسالہ) پڑھ رہا تھا۔ اس کی عبارت کی روانی اور سلاست نے مجھ پر بہت اثر کیا تھا۔ یہ کتاب جنگ آزادی کے مشہور مجاہد علامہ فضل حق خیرآبادی کے والد گرامی مولانا فضل امام خیرآبادی کی تصنیف ہے اور آج تک علم منطق کے طالب علموں کے لیے ابتدائی سیڑھی کا کام دیتی ہے (ویسے عربی زبان میں مرقات سیڑھی کو کہتے ہیں۔ گویا یہ کتاب اسم بامسمّٰی ہے فانی) دوسری بات یہ کہ فتح پوری کے مدرسہ میں جو استاد منطق اور فلسفہ کی تدریس پر مامور تھے۔ جن کا نام مولانا عبدالرحمن صاحب چشتی ٹونکی تھا۔ اس کی تقریر نے مجھ پر بہت اثر کیا تھا۔ ان سے میں نے ہدیہ سعیدیہ جس میں منطق طبعیات اور الٰہیات کے مسائل ہیں اور مولانا فضل حق خیرآبادی کی تصنیف ہے سے یہ رسالہ پڑھا تھا۔

فتح پوری میں ڈیڑھ سال گزارنے کے بعد حکیم برکات احمد ٹونکی جو کہ مولانا عبدالحق خیرآبادی اور نواب ٹونک کے معالج خاص تھے۔ ان کے تلمیذ رشید مولوی عبدالجلیل ٹونکی کے حلقہ درس میں شامل ہوا۔ اور منطق و فلسفہ قدیم و جدید، معانی فقہ، اصول تفسیر حدیث یہ تمام علوم میں نے ان سے پڑھ لیے۔ عام درس نظامی سے ہمارا درس کچھ مختلف تھا۔ لیکن مضامین تقریباً تمام ایک ہی تھے، البتہ منطق اور فلسفہ میں خیرآبادی خاندان کا بعض مسائل میں اپنا ایک مسلک ہے۔ جو ان کے تفردات میں سے ہے۔ استاد گرامی قدر نے جب مہاجر کی حیثیت سے پاکستان آتے تو پہلے پہل ضلع ہزارہ کے کھلابٹ نامی گاؤں کو جو کہ اب تربیلا ڈیم کے جھیل میں آیا ہے۔ اپنے ایک قاضی عبدالسبحان[1] صاحب کے پاس تشریف لاتے۔ مجھے اس نے پیغام بھیجا کہ فصوص الحکم اور اس کی شرح قاشانی مجھے بھیج دیں۔ میں نے تعمیل حکم

[1] آپ ۱۸۹۸ء کو موضع کھلابٹ ہری پور میں پیدا ہوئے۔ کوئی چھ ماہ تک دارالعلوم دیوبند میں بھی مولانا عبدالسمیع اور مولانا محمد ابراہیم بلیاوی کے علاوہ علامہ انور شاہ کشمیری سے استفادہ کیا۔ آپ نے کئی کتابیں لکھی ہیں۔ ۲ مئی ۱۹۵۸ء کو آپ کا انتقال ہوا۔ (تذکرہ علما مشائخ سرحد)

کرتے ہوئے وہ کتابیں ان کو ارسال کیں۔ کچھ مدت بعد وہ مردان تشریف لاتے اور یہاں پر فقر و استغناء کے دن گزار رہے تھے۔ بعض خاص لوگوں نے ان سے استفادہ کیا۔ میں کبھی کبھی ان کی خدمت میں حاضر ہوا کرتا تھا۔ آخر ۱۹۶۳ء کو علم و عرفان کا یہ خزینہ مردان کے قریب سپرد خاک کر دیا گیا۔

تکمیل اور علمی تربیت کے حصول کے لیے استاذ گرامی قدر کی اجازت سے میں اور جناب سید لطیف صاحب (میاں ڈھیری۔ صوابی) حکیم برکات احمد ٹونکی کے نامور شاگرد اور جانشین حضرت مولانا معین الدین اجمیری کی خدمت میں حاضر ہوتے۔ حضرت مولانا معین الدین اجمیری صاحب جمعیۃ العلماء ہند کے نائب صدر اور مشہور علمی اور سیاسی شخصیت کے مالک تھے۔ ان سے میں نے صحیح بخاری شریف، ترمذی شریف، مسلم شریف، شرح مسلم الثبوت از مولانا عبدالحق خیر آبادی، ہدایہ آخرین، شرح اشارات اور محاکمات جیسی منتہی کتابیں پڑھیں اور اس کے بعد دہلی آئے دہلی میں ایک مخیر شخص حافظ محمد صدیق نے ہمیں رہنے کے لیے باڑہ ہندو راؤ میں جگہ دی۔ ۱۹۳۵ء میں جامعہ ملیہ اسلامیہ کے خطاط الحاج علی محمد خان صاحب فرخ آبادی جن کی عمر اس وقت نوے (۹۰) سال تھی سے میں نے خط نستعلیق سیکھنا شروع کیا۔ استاذ مرحوم قرول باغ میں رہائش پذیر تھے۔ جبکہ جامعہ بھی قرول باغ ہی میں واقعہ تھا۔ اس وقت شیخ الجامعہ جناب ڈاکٹر ذاکر حسین تھے۔

۱۹۳۸ء میں میں اپنے وطن واپس آیا۔ اور اپنے ساتھ تمام علوم میں ضرورت کی کتابیں لے آیا۔ ۱۹۳۹ء میں میری شادی ہوئی۔ کچھ مدت میں مطالعہ میں مصروف رہا اسی سال شام کے مشہور ادیب اور جنگ آزادی کے سرکردہ رہنما جناب امیر شکیب ارسلان کی کتاب کا پشتو میں ترجمہ کیا جس کا نام "مسلمانو د زوال اسباب" یعنی (مسلمانوں کے زوال کے اسباب) ہے اپنے ہی خرچ سے اس کو شائع کی۔ اس کے بعد معززین کے مشورہ سے میں نے اپنے گاؤں کے مدرسہ میں اعزازی طور پر کام شروع کیا۔ اور پھر چند دن بعد بحیثیت استاذ میری تقرری ہوئی۔ ۱۹۵۶ء میں پنجاب یونیورسٹی سے میں نے منشی فاضل کا امتحان پاس کیا اور اس سال پشتو اکیڈمی پشاور یونیورسٹی میں میرا تقرر بحیثیت مترجم السنہ شرقیہ ہوا۔ پشتو اکیڈمی کے بانی اور اولین ڈائریکٹر مولانا عبدالقادر کی رہنمائی میں میں نے سب سے پہلے ارسطو کی معرکۃ الآرا۔ کتاب ارسطائل پوئٹکس کا پشتو میں ترجمہ کتاب الشعر کے عنوان سے کیا اور طباعت کے بعد پشتو ایم اے کے نصاب میں یہ کتاب شامل کی گئی۔

اس کے بعد مولانا مرحوم (مولانا عبدالقادر) کے مشورہ سے میں نے علامہ شبلی نعمانیؒ اور سید سلیمان ندویؒ کی کتاب سیرت النبیؐ کا پشتو میں ترجمہ کیا اور اللہ تعالےٰ کے فضل و کرم سے اس کی تمام جلدوں کا ترجمہ مکمل ہوا اور ۱۹۷۰ء میں اس کی پہلی جلد شائع ہوگئی۔ اس کے بعد سیرت الصحابہ کی دو جلدوں کا بھی ترجمہ کیا۔ اور اکیڈمی کے سہ ماہی رسالے کے لیے کئی مقالے لکھے۔ شیخ الرئیس ابن سینا کے ایک رسالے مخارج حروف کا ترجمہ میں نے کیا۔ جو پشتو رسالہ میں

قسط وار شائع ہوا۔ ۱۹۷۰ء میں مولانا عبدالقادر صاحب پشتو اکیڈمی کے اہتمام سے علیحدہ ہوتے۔

۶ جنوری ۱۹۷۱ء میں بندہ ساڑھے چودہ سال خدمت کرنے کے بعد اکیڈمی سے ریٹائر ہوا۔ اور یونیورسٹی کے قریب میں نے اپنا گھر تعمیر کرایا تاکہ میرے بچے یونیورسٹی سے استفادہ کر سکیں۔ میرا اکثر بسر اوقات مطالعہ میں ہوتا تھا۔ تواریخ حافظ رحمت خانی[1] کا ترجمہ بھی میں نے اسی گھر میں کیا ہے۔ جس کو پشتو اکیڈمی نے خان روشن خان کے تعاون

---

[1] کتاب کے دیباچہ میں اس وقت کے ڈائریکٹر پشتو اکیڈمی پشاور جناب سید خیال بخاری تواریخ حافظ رحمت خانی کے متعلق لکھتے ہیں۔ " اصل کتاب خالص پشتو میں نہیں بلکہ مؤلف نے ایک انوکھی روش اختیار کی ہے وہ یہ کہ بیچ بیچ میں فارسی کے جملے بھی استعمال کرتا چلا گیا ہے اس سے پتہ چلتا ہے کہ اسے فارسی زبان پر بھی اچھا عبور حاصل تھا بلکہ وہ وقت ہی ایسا تھا کہ فارسی زبان اپنی قدر و منزلت کے بلند ترین مدارج پر تھی۔ یورپ کی لاطینی زبان کی طرح بغیر فارسی یا عربی زبان جانے کوئی عالم کہلانے کا حق نہیں رکھتا تھا۔ اس لیے فارسی زبان اور علوم سے کما حقہ واقفیت ناگزیر تھی پشتو کے بہت سے اہل قلم اور شعراء کے بے شمار شاہکار فارسی زبان میں موجود ہیں۔ مگر پشتو تحریر میں اس طریقے پر فارسی کی آمیزش بہت کم دیکھنے میں آتی ہے۔ بہر کمال یہ ہے کہ پشتو عبارت میں فارسی کے پیوند خلاف توقع برے نہیں۔ بلکہ بڑے پر لطف لگتے ہیں۔ پشتو ایڈیشن میں تو ان کو بحال رکھنا ہی تھا مگر اردو ترجمہ میں پشتو اور فارسی دونوں کو ایک ہی زبان (اردو) کے سانچے میں ڈھال دیا گیا ہے ترجمے کا ذکر آیا ہے تو دو ایک لفظ مترجم کے متعلق بھی عرض کر دیتے جائیں۔ کتاب کا ترجمہ مولوی محمد اسرائیل صاحب نے کیا ہے جو کہ پشتو اکیڈمی میں ایک طویل عرصہ تک مترجم کے فرائض انجام دیتے رہے ہیں۔ علامہ شبلی نعمانیؒ کی شہرت آفاق تصنیف سیرۃ النبیؐ کے ترجمے کا حق انہوں نے ایسا ادا کیا ہے کہ باید و شاید۔ اب انہوں نے اس کتاب کا پشتو سے اردو ترجمہ جس خوبی اور خوش اسلوبی سے کیا ہے اس کا اندازہ اہل زبان مجھ سے بہتر لگا سکتے ہیں۔

اپنی قوم کے اہل قلم علماء کے ہاتھوں جو چند ایک کتابیں لکھی گئی ہیں۔ وہ بہت ہی نایاب ہیں ان میں یہ کتاب تواریخ حافظ رحمت خانی بھی تھی۔ جو روہیلکھنڈ کے مرد مجاہد نواب حافظ رحمت خان کی سرپرستی میں لکھی گئی تھی، یہ بھی سالہا سال تک برٹش میوزیم کے کتب خانہ میں پڑی رہی اس کا غلط یا صحیح ذکر تو بعض مستشرقین نے ضرور کیا مگر اصل کتاب ناقدر شناسی اور غفلت کی تاریکیوں میں طاق نسیاں میں پڑی رہی۔ پشتو اکیڈمی نے جب اس کی فوٹو سٹیٹ نقل برٹش میوزیم سے حاصل کی تو معلوم ہوا کہ ایک جواہر پارہ تھا جو پردیس میں برٹش میوزیم کے گمنام گوشے میں دوسری ایسی ہی کتابوں تلے دبا رہا اور اہل علم کی نظروں سے اوجھل رہا۔۔۔۔ اس کتاب کی اہمیت اور افادیت کو دیکھ کر ایک یوسف زئی پختون (جو یوسف زئی قبیلہ کی ذیلی شاخ مندنڑ سے متعلق ہیں) کی پختونی جوش میں آگئی اور انہوں نے اس کتاب کے شائع کرنے کے لیے مالی امداد کی حامی بھر لی۔ پختون تاریخ کے یہ شیدائی قصبہ نواں کلی (مردان) کے غیور فرزند خان روشن خان ہیں۔ اس طرح پشتو اکیڈمی اس مخیر انسان کی فیاضی اور تاریخ پروری کی وجہ سے اس کتاب کو جلد شائع کرنے کے قابل ہو سکی ورنہ بصورت دیگر نجانے اہل شوق کو اور کتنا انتظار کرنا پڑتا۔

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

سے شائع کرایا۔ رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا بھی پشتو میں ترجمہ کیا لیکن ابھی تک شائع نہیں ہوا۔ یہ ہیں میری زندگی کے مختصر واقعات۔

آپ کے فرزند جناب نذیر احمد صاحب یوسفزئی سے جب بندہ نے اپنے والد مرحوم کے بارے میں سوانحی تذکرہ کے متعلق رابطہ کیا تو انہوں نے میرے استفسار کے جواب میں تحریر فرمایا کہ نام :۔ (مولوی) محمد اسرائیل۔ والد صاحب کا نام : عبدالمجید۔ تاریخ پیدائش :۔ جھنڈا ضلع وتحصیل صوابی۔ تعلیم :۔ فاضل درس نظامی آنرز ان پشتو۔ آنرز ان اردو آنرز ان عربک۔ سال ۱۹۵۵ء میں پشتو اکیڈمی پشاور یونیورسٹی میں بطور مترجم السنہ شرقیہ ملازمت اختیار کی۔ اس سے پہلے محکمہ تعلیم صوبہ سرحد سے وابستہ تھے۔ پشتو اکیڈمی میں سیرۃ النبیؐ مکمل سیرۃ الصحابہؓ، کتاب الشعر (ارسطو کی مشہور تصنیف ارسٹائل پوئٹس کا پشتو میں ترجمہ کیا) جو کہ ایم اے پشتو کے کورس میں شامل ہے اس کے علاوہ سیرۃ النبیؐ کے مختلف حصوں کا پشتو ترجمہ کیا۔ آداب، واحد غزا، اخلاق نبوی، معجزات نبویؐ۔ عقائد و مدینے ہجرت، آفتاب رسالت، دبدر غزا، عبادات، فتح مکہ، رحمت عالم اور اردو میں تعلیمات رسولؐ۔ علامہ شکیب ارسلان کی مشہور کتاب کا اردو سے پشتو میں ترجمہ کیا جس کا نام "مسلمانانو د زوال اسباب" ہے جو کہ پشتو آنرز کے کورس میں شامل ہے۔ پشتو اکیڈمی کے رسالے میں بیشمار مضامین اور مقالات لکھے۔ اسی طرح "جمہور اسلام پشتو" میں بھی آپ کے کئی مضامین شائع ہوتے۔ ریڈیو پاکستان سے بھی آپ کی کئی تقاریر نشر ہوئیں۔

تاریخ وفات :۔ ۹ اکتوبر ۱۹۸۶ء پشاور شام سوا سات بجے بروز جمعرات۔ مدفین :۔ بمقام جھنڈا مورخہ ۱۰ اکتوبر ۱۹۸۶ء بروز جمعۃ المبارک بوقت ۱۰ بجے صبح۔ رحمہ اللہ

(بقیہ حاشیہ) —— اس کتاب کی بہت سی جلدیں پشتو تاریخ کے اس محسن نے تاریخ سے دلچسپی رکھنے والوں میں مفت تقسیم کر دیں۔ (تواریخ حافظ رحمت خانی ص ۱۳تا۱۴)

اس کتاب کے متعلق جناب عبدالہاشم خان (سابق) وائس چانسلر پشاور یونیورسٹی اپنے پیغام میں لکھتے ہیں۔
"تواریخ حافظ رحمت خانی جو ایک بہت بڑی اہم تاریخی دستاویز ہے اور پشتو اکیڈمی کو برٹش میوزیم لندن سے ہاتھ آئی ہے یہ کتاب سولہویں صدی عیسوی کے شروع میں (کابل سے) یوسف زئی اور دوسرے ملحقہ قبائل کی ہجرت اور دوبارہ آباد ہونے اور شیخ ملی کی مشہور تقسیم کے ذکر اذکار کی حامل ہے۔ یہ دراصل اس مشہور تاریخ افاغنہ کی تلخیص ہے جو خان کجو کی تاریخ کے نام سے یاد کی جاتی ہے"

(تواریخ حافظ رحمت خانی ص ۶۵)